ہے۔ مولانا فراہی عربی میں لکھتے تھے۔ ان کے پیش نظر علما تھے۔ اب یہ پورا میدان باقی ہے کہ ان کی تصنیفات کو اردو زبان میں مرتب کیا جائے۔

زیر نظر کتاب میں خالد مسعود صاحب نے رسائل الامام الفراہی اور مقدمہ نظام القرآن کے متعلقہ حصوں کو ایک مربوط تصنیف میں پیش کیا ہے۔ رسائل کا ترجمہ انھوں نے خود کیا ہے اور مقدمے کا ترجمہ مولانا اصلاحی کا لیا ہے۔

اصول تفسیر پر اردو میں کوئی جامع کتاب موجود نہیں ہے۔ تفہیم القرآن کا آغاز کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کے سامنے روایتی تفسیر لکھنا نہیں تھا' اسی لیے انھوں نے مقدمے میں تفسیر کے بجائے قرآن فہمی کے اساسی اصول بیان کیے جو قرآن کے مرکزی موضوع اور بنیادی تصورات کی تفہیم کے لیے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان میں شاہ ولی اللہ کی الفوز الکبیر دستیاب ہے جو ایم اے کے طلبہ نصاب میں پڑھتے ہیں۔ اب حمیدالدین فراہیؒ کی یہ کتاب تفسیر پر ایک بنیادی کتاب کی حیثیت سے سامنے آئی ہے۔

فراہی صاحب کی فکر میں نظم قرآن کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں بعض اوقات وہ اتنی دور کی کوڑی لاتے ہیں کہ قاری ششدر رہ جاتا ہے۔ انھوں نے پورے قرآن کو ایک مربوط کتاب کی حیثیت سے سمجھا اور پیش کیا ہے۔ سورت کا سورت سے ربط ہے' آیات کا آیات سے باہمی ربط ہے۔ ہر سورت کا ایک عمود ہے جس کے گرد سارے مضامین گھومتے ہیں۔ ہر آیت اپنی جگہ نگینے کی طرح جڑی ہوئی ہے۔ آخر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ذی شان ہے!

اس مختصر تبصرے میں اس کتاب کے تمام مضامین کا جائزہ ممکن نہیں۔ اختصار سے سمجھانے والے انداز میں تفسیر کے مختلف اصول مثالوں کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ اگر قرآن کا کوئی طالب علم درسی کتب کی طرح سبقاً سبقاً پڑھے تو اس کے ہاتھ فہم قرآن کی بہت سی کلیدیں آ جائیں گی' ذہن وسیع ہوگا اور قرآنی مضامین پر شرح صدر اور اطمینان قلب نصیب ہو گا۔ ہمارے عربی مدارس کے نصاب میں اگر مسلکی تعصب سے بالا ہو کر قرآن کے مطالعے کو اہمیت دی جائے تو اس طرح کی کتب اس مطالعے کے لیے بنیاد کا کام دے سکتی ہیں (مسلم سجاد)۔

تاریخ علوم اسلامیہ ' محمد فواد سزگین۔ مترجم: پروفیسر شیخ نذیر حسین۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامیہ' منصورہ' لاہور - ۵۴۵۷۰۔ صفحات: ۲۲۴۔ قیمت: درج نہیں۔

محمد فواد سزگین عصر حاضر کے نامور ترک محقق اور عالم ہیں۔ علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت جرمن یونی ورسٹیوں میں ہوئی۔ یوں تو انھوں نے بہت سے علمی کارنامے انجام دیے مگر

تاریخ التراث العربی (تاریخ میراث عربی) ان کا شہرۂ آفاق علمی کارنامہ ہے جسے ۸ جلدوں میں لائیڈن سے شائع کیا گیا۔ پھر اس کے بعض حصوں کا عربی ترجمہ جامعہ امام محمد بن سعود، ریاض سے شائع ہوا (ابھی ترجمے کا کام جاری ہے)۔ دراصل یہ معروف جرمن مستشرق کارل بروکلمان کی ۴۰ برس کی محنت سے تیار کردہ تاریخ ادبیات عربی کی نئی اور نظرثانی شدہ صورت ہے۔ سزگین نے اس کام پر ۱۵، ۲۰ برس صرف کیے۔ ان کا یہ کام بروکلمان کی اصل تاریخ پر اس لیے فوقیت رکھتا ہے کہ انھوں نے اس کی غلطیوں کی تصحیح کے ساتھ ساتھ اس میں بہت سے اضافے بھی کیے ہیں۔ سزگین صاحب جرمنی میں مقیم ہیں اور اب بھی تحقیق میں مصروف ہیں۔

سزگین کی تحقیق کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصرف، عہد جاہلیت، صدر اسلام، بنوامیہ، بنی عباس کے شعرا اور ان کے فکروفن، علم طب، کیمیا، نباتات، زراعت، ریاضیات، فلکیات، لغت، علم نحو وغیرہ وغیرہ پر مسلم علما کی کتابوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تحقیقی کام مصنف کی وسعت معلومات اور اسلامی عربی علوم سے ان کی گہری واقفیت اور اپنے موضوع سے ایک جذباتی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ استنبول کے کتب خانوں میں موجود مخطوطات کے خزانوں سے سزگین نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان کے کام کے پھیلاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے معروف عربی شاعر، متنبی کے دیوان کی ۴۰ شرحوں کی تفصیل دی ہے، اس کی شاعری اور مدح و قدح پر لکھی جانے والی کتابوں کا ذکر اس کے علاوہ ہے۔ سزگین کی کتابیات مسلمانوں کی عظیم الشان عالمانہ کاوشوں کی ایک جھلک پیش کرتی ہے (انھوں نے ۴۳۶ ہجری تک کے مخطوطات تک اپنی تحقیق محدود رکھی ہے)۔

عربی زبان و ادب کے معروف محقق شیخ نذیر حسین صاحب نے علوم فقہ سے متعلق سزگین صاحب کی جلد کے ایک حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ شروع میں انھوں نے سزگین صاحب کی شخصیت اور ان کے متذکرہ بالا علمی کارنامے کا مختصر تعارف کرایا ہے۔ بعدازاں علم فقہ سے متعلق سزگین کا مقدمہ ہے اور پھر عہد بہ عہد کتب فقہ کی تفصیل، کتب فقہ کا تذکرہ اور ان کے مصنف فقہا کا تعارف دیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ و تعارف اموی، عباسی، پھر مالکی، شافعی اور حنبلی، شیعی، زیدی، اسماعیلی، قرامطی، نصیری اور اباضی فقہوں کے لحاظ سے ہے۔

دراصل یہ کتاب مسلمانوں کے ہمہ جہت اور ہمہ گیر علمی کارناموں اور مختلف علوم و فنون میں ان کے علمی انہماک کی معمولی سی جھلک پیش کرتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب مسلمانوں نے اپنے آبا سے حاصل ہونے والی علمی میراث کو نظرانداز کر رکھا ہے مگر انھیں اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اپنے علمی ورثے کو سمجھے بغیر، اور روز بروز وسعت پذیر علوم و افکار پر توجہ دیے بغیر وہ ترقی نہیں کرسکتے اور اقوام عالم